عنوان	تبویب	مضمون سوال وجواب
		درج ذیل دو مسائل پر شرعی حکم کیا ہے۔ ۱۔ ہماری جامع مسجد کے محراب میں سامنے ایک دروازہ لگا دیا گیا ہے جنازے کی نماز کیلئے دروازہ کھول دیا جاتا ہے میت باہر رکھا جاتا ہے اور امام خود اندر نماز کے لیے ... اور ... مقتدیوں کو اپنی صفوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھا دیا جاتا ہے کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ ۲۔ بارات اور جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا صحابہ کے دور میں ان چیزوں کا رواج تھا؟

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً۔

(1) اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا بغیر کسی شرعی عذر کے تمام ممکنہ صورتوں میں مکروہ و منع ہے۔ وہ ممکنہ صورتیں درج ذیل ہیں۔

(الف) جنازہ، امام، مقتدی، سب مسجد کے اندر ہوں۔

(ب) صرف جنازہ باہر ہو اور امام و مقتدی مسجد کے اندر ہوں۔

(ج) جنازہ اور چند مقتدی اور امام مسجد سے باہر ہوں باقی سب مسجد کے اندر ہوں۔

(ح) صرف جنازہ اور امام مسجد سے باہر ہوں باقی سب مسجد کے اندر ہوں۔

(د) صرف جنازہ مسجد کے اندر ہو امام اور مقتدی مسجد سے باہر ہوں۔

ان مذکورہ صورتوں میں سے جسکو بھی اختیار کر کے نماز جنازہ پڑھی جائے تو مکروہ و منع ہے۔

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی جیسی مقدس اور بڑی فضائل والی جگہ چھوڑ کر جنازہ کی نماز پڑھنے کیلئے الگ جگہ مقرر کی تھی۔

ہاں البتہ اگر کوئی معتبر عذر ہو مثلاً بارش ہو جائے یا بارش نہ ہو لیکن ہر طرف کیچڑ ہو اور کوئی دوسری جگہ مسجد کے علاوہ ایسی نہیں ہے جہاں نماز جنازہ پڑھ سکیں۔ یا جگہ تو ہے لیکن اتنی تنگ ہے کہ وہاں نماز جنازہ پڑھنے کیوجہ سے کچھ صفیں مسجد کے اندر بھی بنانی پڑتی ہیں یا اکثر صفیں مسجد میں بنانی پڑتی ہیں یا شارع عام ہے وہاں نماز جنازہ پڑھنے کیوجہ سے گذرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہو تو ایسی صورت میں عذر کیوجہ سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ پھر اسمیں بہتر صورت یہ ہے کہ امام، جنازہ، اور چند مقتدی مسجد سے باہر ہوں اور باقی لوگ مسجد کے اندر رہیں۔

اب صورت مسئولہ میں آپکی مسجد میں نماز جنازہ کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اگر وہ بلاضرورت وحاجت ہے تو ایسا کرنا مکروہ ہے اور اگر ضرورت وحاجت کیوجہ سے مجبوراً ایسا کیا جاتا ہے تو شرعاً اسکی گنجائش ہے۔

"وصلاۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعۃ مکروھۃ سواء کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقی فی المسجد او المیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد. ھو المختار کما فی الخلاصۃ ولا یکرہ بعذر المطر ونحوہ ھکذا فی الکافی" (الفتاوی العالمگیریہ ص $\frac{165}{1}$)

تبویب	مضمون سوال وجواب	نام وپتہ مستفتی	تاریخ نقل فتاویٰ

ایضاً فی الدر المختار مع رد المحتار ص ۲۲۵/ج۲ والایضاً فی فتح القدیر ص ۹۱/ج۲ والایضاً فی تبیین الحقائق ص ۲۴۳/ج۱ والایضاً فی خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲۲/ج۱ والایضاً فی الھدایۃ ص ۱۴۳/ج۱ والایضاً فی الفتاویٰ التاتارخانیہ ص ۱۷۹/ج۲ والایضاً فی حلبی کبیر ص ۵۸۲/ج۱)

۲ جہیز کی شرعی حیثیت

شرعی اعتبار سے جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اسے کوئی تحفہ اپنی استطاعت کے مطابق دینا چاہے تو دیدے۔

اور ظاہر ہے کہ تحفہ دیتے وقت لڑکی کی آئندہ ضروریات کو مدنظر رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے لیکن نہ وہ شادی کے لیے کوئی لازمی شرط ہے، نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اسکا مطالبہ کریں۔ اور اگر کسی لڑکی کو جہیز نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو اس پر برا منائیں یا لڑکی کو ملعون کریں۔ اور نہ یہ کوئی دکھاوے کی چیز ہے کہ شادی کے موقعہ پر اسکی نمائش کر کے اپنی شان کا اظہار کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہمارے معاشرے میں جو غلط تصورات پھیل گئے ہیں وہ مختصراً درج ذیل ہیں۔

جہیز کو لڑکی کی شادی کیلئے ایک لازمی شرط سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب تک جہیز دینے کیلئے پیسے نہ ہوں لڑکی کی شادی نہیں کی جاتی۔ ہمارے معاشرے میں نہ جانے کتنی لڑکیاں اسی وجہ سے بن بیاہی رہتی ہیں کہ باپ کے پاس انہیں دینے کیلئے جہیز نہیں ہوتا اور جب شادی سر پر آہی جائے تو جہیز کی شرط پوری کرنے کیلئے باپ کو بعض اوقات روپیہ حاصل کرنے کے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اور وہ رشوت، جعلسازی، دھوکہ فریب اور خیانت جیسے جرائم کو استعمال نہیں کرنا چاہتا تو کم از کم اپنے آپ کو قرض اور ادھار کے شکنجے میں جکڑنے پر مجبور ہوتا ہے۔

جہیز کی مقدار اور اسکے لیے لازمی اشیاء کی فہرست میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے اب جہیز محض ایک بیٹی کیلئے باپ کا تحفہ نہیں ہے جو وہ اپنی خوش دلی سے اپنی استطاعت کی حد میں دے دے۔ بلکہ معاشرے کا جبر ہے۔ چنانچہ اسمیں صرف بیٹی کی ضروریات ہی داخل نہیں۔ بلکہ اسکے شوہر کی ضروریات پورا کرنا اور اسکے گھر کو مزین کرنا بھی ایک لازمی حصہ ہے چاہے لڑکی کے باپ کا دل چاہے یا نہ چاہے۔ اسے یہ تمام لوازم پورے کرنے پڑتے ہیں۔

بات [illegible] کو فروغ کیا جا بلکہ جہیز کی نمائش کی رسم نے یہ بھی ضروری قرار دے دیا ہے کہ جہیز ایسا ہو جو ہر دیکھنے والے کو خوش کر سکے اور [illegible] تعریف حاصل کر سکے۔

جہیز کے معاملہ میں سب سے گھٹیا بات یہ ہے کہ لڑکی کا شوہر یا اسکے سسرال کے لوگ جہیز پر نظر رکھتے ہیں۔ بعض جگہ تو شادی سے پہلے اور جہیز کا مطالبہ پوری ڈھٹائی سے کیا جاتا ہے اور بعض جگہ اگر صریح مطالبہ نہ ہو تب بھی توقعات یہ باندھی جاتی ہیں کہ دلہن اچھا سا جہیز لیکر آئے گی۔ اگر یہ توقعات پوری نہ ہوں تو لڑکی کو طعنے دے دے کر اسکا ناک میں دم کر دیا جاتا ہے۔

بذات خود اس بات میں کوئی شرعی یا اخلاقی خرابی نہیں ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنے دل کے تقاضے سے اسے ایسی چیزوں کا تحفہ پیش کرے جو اسکے لیے آئندہ زندگی میں کارآمد ہوں۔ خود حضور اقدس نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ

Scanned by CamScanner

علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سادگی کیساتھ کچھ جہیز عطا فرمایا تھا شرعی اعتبار سے اس قسم کے جہیز کیلئے کوئی مقدار بھی مقرر نہیں ہے۔ اگر دوسرے مفاسد نہ ہوں تو باپ اپنے دل کے تقاضے کے تحت جو کچھ دینا چاہے دے سکتا ہے۔ لیکن خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ اول تو اسے نام ونمود اور نمائش کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اور دوسرے لڑکے والے مطالبہ سے لینا حق سمجھتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جہیز کی امیدیں باندھتے ہیں۔ اور انتہائی گھٹیا بات یہ ہے کہ اسکی کمی کی وجہ سے لڑکی اور اسکے گھر والوں کو مطعون کرتے ہیں۔ جہیز کی ان خرابیوں کو ختم کرنے کیلئے معاشرے کے تمام طبقات کو ان تصورات کے خلاف جہاد کرنا پڑے گا۔ (ماخوذ از مضمون شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ)

بارات کی شرعی حیثیت۔

اس معاملے میں بھی ہمارے معاشرے میں افراط وتفریط پر مبنی تصورات پھیلے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح لڑکے کیلئے نکاح کے بعد ولیمہ کرنا سنت ہے اسی طرح لڑکی کے باپ کیلئے بھی نکاح کے وقت دعوت کرنا سنت یا کم از کم شرعی طور پر پسندیدہ ہے۔ حالانکہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ لڑکی والوں کی طرف سے کسی دعوت کا اہتمام نہ سنت ہے نہ مستحب۔ بلکہ اگر دوسری خرابیاں نہ ہوں تو صرف جائز ہے۔ یہی معاملہ بارات کا ہے۔ نکاح کے وقت دولہا کی طرف سے بارات لے جانا کوئی سنت نہیں۔ نہ نکاح کو شریعت نے اس پر موقوف کیا ہے۔ لیکن اگر دوسری خرابیاں نہ ہوں تو بارات لے جانا کوئی گناہ بھی نہیں۔ لہٰذا بعض حضرات جو بارات لے جانے اور لڑکی والوں کی طرف سے انکی دعوت کو ایسا گناہ سمجھتے ہیں جیسے قرآن وسنت نے اس سے خاص طور پر منع کیا ہو۔ انکا یہ تشدد بھی مناسب نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اعتدال کیساتھ کچھ لوگ نکاح کے موقع پر لڑکی کے گھر چلے جائیں جسمیں لڑکی کے باپ پر کوئی بار نہ ہو اور لڑکی کے والدین اپنی بچی کے نکاح کے فریضے سے سبکدوش ہونے کی خوشی میں اپنی دلی خواہش سے ان کی اور اپنے دوسرے عزیزوں، دوستوں کی دعوت کر دیں۔ تو اسمیں بذات خود کوئی گناہ نہیں ہے لیکن ان تمام چیزوں میں خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ ان تقریبات کو نکاح کا لازمی حصہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ اور جو شخص انہیں انجام دینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ بھی خواہی نخواہی ان پر مجبور ہوتا ہے اور اس غرض کیلئے بعض اوقات ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے اور بعض اوقات قرض، ادھار کا بوجھ اپنے سر لیتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے مالی حالات کی وجہ سے یہ کام نہ کرے تو اسے معاشرے میں مطعون کیا جاتا ہے۔

کسی شخص کو کوئی ہدیہ تحفہ دینا، یا اسکی دعوت کرنا اگر دل کے تقاضے اور محبت سے ہو تو نہ صرف یہ کہ کوئی گناہ نہیں بلکہ باعث برکت ہے۔ بالخصوص جب نئے رشتے قائم ہو رہے ہوں تو ایسا کرنے سے باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بشرطیکہ یہ سب خلوص سے ہو اور اپنی استطاعت کی حدود میں رہ کر ہو۔ لیکن جب یہ چیزیں نام ونمود اور دکھاوے کا ذریعہ بن جائیں یا اسمیں بدلے کی طلب شامل ہو جائے یا یہ کام خوشدلی کے بجائے معاشرے کے رسم ورواج کے جبر کے تحت انجام دیے جائیں یعنی اندر سے دل نہ چاہ رہا ہو لیکن ناک کٹنے کے خوف سے زبردستی تحفے دیے جائیں یا دعوتیں کی جائیں تو یہی کام جو باعث برکت ہو سکتے تھے الٹے گناہ، بے برکتی اور نحوست کا سبب بن جاتے ہیں۔ اور انکی وجہ سے معاشرہ طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہماری شامت اعمال یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو خود ساختہ رسموں میں جکڑ کر اچھے کاموں کو بھی اپنے لیے ایک عذاب بنا لیا ہے۔ اگر یہی کام سادگی، بے ساختگی اور بے تکلفی سے کیے جائیں تو انمیں

رجسٹر نقل فتاوی جامعہ دارالعلوم کراچی

صفحہ نمبر ۲۹

تبویب	مضمون سوال وجواب	نام وپتہ مستفتی	تاریخ نقل فتاوی	نمبر
	کوئی خرابی نہیں۔ لیکن اگر رسموں کی پابندی، نام ونمود اور معاشرتی جبر کے تحت انجام دیا جائے تو یہ بہت بڑی برائی ہے۔ لہٰذا اصل بات یہ ہے کہ اگر کبھی لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کے نکاح کے وقت اپنی خوشی دل سے اسکی۔ سسرال کے لوگوں کو یا اپنے کنبہ اور احباب کو جمع کر کے دعوت کر دیتا ہے۔ اور اسے نکاح کا لازمی حصہ یا سنت نہیں سمجھتا تو اسمیں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو اسمیں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جسکی شکایت کی جائے یا جسکی وجہ سے اسے مطعون کیا جائے بلکہ اسکا عمل سادگی کی سنت سے زیادہ قریب ہے اسلئے اسکی تعریف کرنی چاہیئے۔			
	اسکی مثال یوں سمجھئے کہ بعض لوگ اپنی اولاد کے امتحان میں کامیاب ہونے پر یا انہیں			
	ملازمت ملنے پر خوشی کے اظہار کیلئے اپنے خاص خاص ملنے والوں کی دعوت کر دیتے ہیں اس دعوت میں ہرگز کوئی حرج نہیں۔ دوسری طرف بہت سے لوگ اپنے بچوں کے امتحان میں پاس ہونے اور ملازمت ملنے پر اس خوشی میں کوئی دعوت نہیں کرتے ان لوگوں پر بھی معاشرے کیطرف سے کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ نہ انہیں اس بناء پر مطعون کیا جاتا ہے کہ انہوں نے دعوت کیوں نہیں کی۔ اگر یہی طرز عمل نکاح کی دعوت میں بھی اختیار کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یعنی جسکا دل چاہے دعوت کرے اور جسکا دل نہ چاہے نہ کرے۔ لیکن خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ نکاح میں اگر کوئی دعوت نہ کرے تو سسرال والوں کیطرف سے (بارات لیجانے اور) باقاعدہ مطالبہ ہوتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے جیسے شادی ہوئی ہی نہیں۔ جن بزرگوں نے دعوت کے اہتمام سے روکا ہے۔ درحقیقت انکے پیش نظر یہی خرابیاں تھیں۔ انہوں نے اس بات کی ترغیب دی کہ کم از کم کچھ بااثر افراد ان دعوتوں کے بغیر نکاح کرینگے تو ان لوگوں کو حوصلہ ملیگا جو انکی استطاعت نہیں رکھتے اور صرف معاشرے کی مجبوری سے یہ کام کرنے پڑتے ہیں۔ (ماخوذ از مضمون شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی)			
	واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم سجاد احمد دار الافتاء دار العلوم کراچی ۲۵/۳/۱۴۱۷ھ			

الجواب صحیح
بندہ محمود اشرف عفی عنہ
۲۵/۳/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح
عبد المنان عفی عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

نائب مفتی جامعہ دار العلوم کراچی

دار الافتاء
فتوی نمبر ۷/۲۳۶
مورخہ

نائب مفتی جامعہ دار العلوم کراچی